STUDENT NAME: **ROLL NO:**

REGISTRATION NO:

سوال نمبر 1 : پشتو زبان کس طرح وجود میں آئی؟ نیز پشتو زبان کے قدیم و جدید شعری ادب کا تفصیلی جائزہ لے۔

جواب

Tajassus.com

1 ۔ قاضی عبد الحلیم نے پشتو اکیڈمی پشاور کے ایک رسالہ "پشتو" میں یہ ثابت کیا ہے۔ کہ پشتوں سات ہزار سال پرانی زبان ہے۔ 2۔ رگ وید میں پشتوکا ذکرکیا گیا ہے۔ یہ کتاب (1400)ق م میں لکھ گیا ہے۔ اس لحاظ سے تقریبا (3380) سال پرانی ہے۔

3 ۔ ھیروڈوٹس یونانی مورخ نے سال (484-425) ق م میں پشتون وطن پکتیکا کا ذکر کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ زبان تقریبا (2400) سال پرانی ہے۔ اور اسی جسے کہی تاریخی لوگوں نے اپنے کتابوں میں پشتو زبان کی تاریخ کا ذکر کیا ہے۔ جن میں البحرسکائی،بطلیموس بھی شامل ہے۔

4 ۔ پشتوں زبان کی محقق محترم جناب قاضی اثر مرحوم اپنے کتان پشتو ادب میں لکھتا ہے۔ کہ جاپان کے شہنشاہ میکاڈو اپنے کتب خانے میں محاتما بدھ کہ مذہب کا ایک کتاب ہے۔ رسم الخط پالی یعنی خروشتی ہے اور زبان پشتوہے۔ غالبا بلخ کے اس پاس لکھی گئی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ پشتو رسم الخط اسلام سے پہلے پالی زبان یعنی خروشی زبان میں لکھی جاتی تھی۔ اس لحاظ سے پشتو ادب کی تاریخ (2500) سال پرانی ہے۔

5 ۔ ایران کی بادشاہ "داریوش" جس نے (522 سے 486 ق م) تک حکوت کی ہے۔ اس نے پشتو زبان کی تین مصرعے لکھے ہیں جو میخی روسم الخط میں لکھی گئی ہے۔ اس لحاظ سے پشتو ادب (7500) سال پرانی ہے۔

6۔ محمد ھوتک "پٹی خزانہ" پشتو کتاب سے ثابت ہے کہ پشتو تیسری صدئ ھجرئ میں لکھا گیا ہے۔

اس لحاظ سے ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ پشتو ادب کتنی پرانی ہے۔

پشتو، سنسکرت اور اوستا زبانوں میں مشابہت۔

اوستا سنسکرت پشتو اردو معنی 1 گرم گھرمہ غرمہ دوپہر 2 جینی جینئ جینئ لڑکی 3 زیم جماکہ - زمکہ زمین 4 حشب شپ شپہ رات 5 ون ون ونہ درخت

پشتو، سنسکرت اور اوستا زبان کی کئی سو الفاظ ملتے جلتے ہیں اور معنوی لحاظ سے بھی مشابہت رکھتے ہیں۔ جس کا ذکر جناب عبیبی نے اپنے کتاب پشتو ادب و تاریخ میں کی ہے۔

Tajassus.com

شعری ادب:

مولانا عبد القادر لکھتے ہیں کہ کہا جاتا ہے پشتو نثر کی ابتدا چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسویں میں سلطان محمود غزنوی کے ایک وزیر احمد بن میمندی کی تھی۔

عبد الحئی حبیبی کا کہنا ہے کہ غوریوں کی زبان پہلے پشتو تھی۔ گشتہ صدی کے وسط میں پشتو کی کوئی کتاب سترویں صدی سے پہلے کی شائع ہوئی تھی۔ لیکن 1940- 1941ئ میں عبد الحئی حبیبی نے سلیمان ماکو کے کچھ اجزائ شائع کیے۔ یہ ایسی نظموں پر مشتمل ہے جن کے متعلق دعویٰ کیا جاتاہے کہ یہ گیارویں صدی میں لکھی گئیں تھیں۔

میں عبد الحئی حبیبی نے کابل میں محمد ہوتک کی ' پٹہ خزانہ ' (تکمیل 1729) میں شائع 1944 کی۔ جس کے متعلق دعویٰ کیا گیاکہ یہ قندھار میں لکھی گئی تھی، جو آٹھویں صدی سے مولف کے عہد تک کے شعرا کی بیاض ہے۔

ڈاورٹی لکھتا ہے کہ شیخ ملی نے 1417 میں یوسف زئیوں کی ایک تاریخ لکھی تھی۔ لیکن اس تصنیف کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے۔ ایک مخطوطہ موجود ہے جو بایزید انصاری (م 1585)کی خیر البیان پر مشتمل ہے۔ اس کا معائنہ کیا جاچکا ہے۔

سترویں صدی کی ابتدائی دور سے ہمارے پاس بایزید انصاری کے راسخ العقیدہ مد مقابل اخوندہ درویزہ کی دینی اور تاریخی کتاب (مخزن افغانی، مخزن اسلام) موجود ہیں، جو طعن و تشنع سے لبریز ہیں۔ سترھویں اور اٹھارویں صدی میں متعدد شعرا پیدا ہوئے۔ لیکن ان میں سے زیادہ تر فارسی کے نقال ہیں۔ یورپی معیار کی رو سے اور جدید افغانستان کے قومی شاعر کی حثیت سے ان میں سب سے نمایاں خوشحال خان خٹک (1022ھ / 1613 تا 1106ھ / 1694) ہے۔

سلیمان ماکو اور محمد ہوتک کی کتابیں معتدد لسانی اور تاریخی گنجلکیں پیدا کرتی ہیں اور ان کے صحیح ہونے کا سوال حتمی طور پر اس وقت تک طہ نہیں ہو سکتا ہے کہ جب تک ان کے اصلی مخلوطات لسانی تحقیقات کے لیے سامنے نہیں لائے جاتے ہیں۔

اگر محمد ہوتک کی پٹہ خزانہ کی صحت تسلیم کرلی جائے تو یہ امر بھی پھر بھی مشتبہ رہتا ہے کہ محمد ہوتک نے نظموں کی جو تاریخی لکھی ہیں وہ کہاں تک درست ہیں۔

پٹہ خزانہ اور حسن میمندی کے متعلق دعویٰ کی صحت کو تسلیم کرنا مشکل ہے۔ دیمز کا کہنا ہے کہ یہ بات فرض کرنے کے لیے کوئی شہادت نہیں ہے کہ غور کے باشندے شروع میں پشتو بولتے تھے۔ صاحب طبقات ناصری منہاج سراج نے غور کے شاہی محل میں پرورش پائی تھی۔ مگر پشتو کے بارے میں کچھ نہیں کہتا ہے۔ یہی وجہ ہے ڈیمز کو کہنا پڑا کہ اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی ہے کہ غوریوں کی زبان ابتدا میں پشتو تھی۔

اگرچہ عبد الحئی حبیبی نے تقلیمات طبقات ناصری میں متعدد ایسے کلمات کی طرف اشارہ کیا ہے جو پشتو میں استعمال ہوتے ہیں۔ مگر خود عبد الحئی حبیبی کا کہنا ہے کہ پشتو پہلوی سے نکلی ہے۔ تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہ لیا جائے کہ پشتو کی تشکیل ساسانی عہد یا اس سے پہلے ہی تشکیل پاچکی تھی اور وہ علمی اور ادبی زبان بن چکی تھی۔ کیوں کے محض دعوں کے علاوہ کسی قسم کا ثبوت نہیں ملا ہے۔ اگر ہم پٹہ خزانہ پر اعتبار کریں تو شنسب کا پوتا امیر کڑور (آٹھویں صدی عیسویں) پشتو کا پہلا شاعر تھا۔ مگر معتدد وجوہات اس بیان کو جھٹلاتی ہیں۔

Tajassus.com

پتہ خزانہ میں امیر کڑور کا نام پہلی دفعہ سامنے آتا ہے۔ یہ جو پولاد غوری کا بیٹا تھا۔ کا تاریخ میں کہیں ذکر نہیں ملتا ہے اور نہ ہی ایسا کوئی ثبوت ملتا ہے کہ اس وقت (139 ھ) یہاں اسلام آچکا تھا۔ صاحب طبقات ناصری منہاج سراج نے پہلی دفعہ امیر فولاد (پٹہ خزانہ میں پولاد) کا ذکر کرتا ہے۔ اس سے پہلے اس کا تاریخ کوئی تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ لیکن اس نے روایت کے طور پر درج کیا۔

روشن خان نے امیر کڑور کا باپ ماہویہ سوری کو بتایا ہے۔ ماہویہ کبھی غور کا حکمران نہیں رہا ہے اور نہ ہی غور سے اس کا کوئی تعلق رہا ہے۔ تاہم وہ مرو کا مزبان ضرور تھا اور تاہم اس روایت کو ہم تسلیم کر بھی لیں تو ماویہ کا غور سے تعلق ثابت نہیں ہوتا ہے اور دوسری طرف امیر کڑور جس کا تعلق غور سے تھا، اس کا دور دوسری صدی ہجری کی دوسری چوتھائی (139 ھ) بتایا جاتا ہے۔ اس طرح دونوں کے مابین سو سال کا فرق ہو جاتا ہے، یہ بھلا کس طرح ممکن ہے۔

واضح رہے کہ یہ تمام روایات موضع اور وضح کی گئیں ہیں۔ چوتھی صدی ہجری تک یہاں کے لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور محمود غزنوی کے دور میں یہاں کے اکثر قبائل مسلمان ہوئے۔

پٹہ خزانہ تاریخ سوری اور دوسری کتب کی جو انیسویں صدی کے وسط میں شائع کی گئیں اور ان کے اصلی مخطوطے معائنے اور تجزیہ کے لیے پیش نہیں کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ معتدد لسانی اور تاریخی گنجلکیں پیدا کر رہی ہیں، اس لیے ان کی حقیقت مشتبہ ہے۔ غالباً یہ کتب پشتو کی قدامت کو ثابت کرنے کے لیے مخزن افغانی (جس کی روایتیں خود تاریخ سے ماخذ نہیں ہیں) کے اور دوسرے فرضی شعرئ اور تاریخی ناموں کی مدد سے یہ کتب مرتب دی گئیں ہیں۔ تاکہ پشتو کی قدامت کو ثابت کیا جاسکے اور ان کتب کے بیشتر نام فرضی یا تاریخ سے ماخذ نہیں ہیں۔ مثلاً جہان پہلوان کا نام ہمیں ملتا ہے وہ پہلی صدی ہجری میں جب عربوں نے خرسان پر حملہ کیا تھا غور پر حکمران تھا اور اس کے نام پہلوان سے یہ فرض کیا گیا کہ وہ بہت طاقت ور آدمی تھا۔ حالانکہ یہ نسبتی کلمہ ہے اور پہلوی کی ایک شکل ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہیں ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ملتان کے اسماعیلیوں کو راسخ عقیدہ مسلمان اور افغان بتایا گیا ہے۔ جن کے مذہبی عقائد کے بارے میں ہم عصر مصنفین نے تفصیل سے لکھا۔

بالاالذکر بیانات جن میں نہایت تضاد ہے اور تاریخ سے ماخذ بھی نہیں ہیں اور ان کے تجزیعہ سے واضع ہوتا ہے کہ یہ تمام روایات اور دلائل غلط سلط اور موضع ہیں اور انہیں محض اپنی نسلی اور لسانی برتری کے لیے وضح کی گئی ہیں اور انہیں پیش کرتے ہوئے تاریخی حقائق کو مد نظر بھی نہیں رکھا گیا ہے، لہذا ان پر کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔

Tabassus.com

پروفیسر پری شان خٹک کا کہنا کہ پشتو شاعری اپنے ابتدائی دور میں بھی خالص رہی ہے۔ پشتو خزانہ کی یہی بات کھٹکتی ہے۔ جب کوئی بولی ترقی کی منزلوں کی طرف گامزن ہوتی ہے تو ارد گرد کی ترقی یافتہ زبانوں کی نقالی کرتی ہے۔ اگر پٹہ خزانہ کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے کو ن سے ارتقائی مراحل طے کیے ہیں؟ اگر اس نے ارتقائی مراحل طے کیے ہیں تو تہذیبی اور ثقافتی مراحل بغیر کس طرح ممکن ہے؟ مگر ہمیں اس کا کوئی ایسا جواب نہیں ملتا ہے جو تاریخ سے ماخذ ہو۔

دنیا کے تمام ادبوں کی ابتدا شاعری سے ہوئی ہے۔ شعر زندہ قوت ہے جس کا وجود نثر سے بیشتر کا معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ فن تحریر ایجاد نہیں ہوا تھا شعر اپنے زبردست اثر سے دماغ میں محفوظ رہے سکتا ہے تھا اور مجموع کو سنانے کے قابل شعر ہی ہوسکتے ہیں۔ گو ظاہراً نثر ہمارے خیلات اور گفتگو کا آسان طریقہ ہے مگر غور کرنے کے بعد تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ رسمی گفتگو کہ لیے موزوں ہے۔ کوئی بولی جب ترقی کرتی ہوئی زبانوں کی صف میں قدم رکھتی ہے تو ارد گرد کی زبانوں کے زیر اثر ہوتی ہے اور قدم قدم پر ان کی پیروی بلکہ نقالی کرتی ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہے کہ اسے ترقی کے جو مدارج طے کرنے ہوتے ہیں وہ اسے طے نہیں کرنے ہوتے ہیں۔ خود اردو شاعری دیسی شاعری نہیں ہے بلکہ فارسی سے پیدا ہوئی ہے اور فارسی کے نمونے اس کے پیش نظر تھے۔ شروع میں اکثر اردو کے اشعار فارسی کا لفظی ترجمہ ہوتے تھے۔ اردو کے ابتدائی شعرا نے غزل میں فارسی شعرا کی تقلید کی۔ ولی کے دور میں مشکل سے کوئی ایسا شاعر ملے گا جس نے ہر بات میں فارسی کی تقلید نہیں کی۔

کوئی بھی زندہ زبان ساکن نہیں رہتی ہے، اسے زندہ رہنے کے لیے مسلسل ارتقائی مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔ اس میں نئے الفاظوں کی شمولیت اور غیر ضروری الفاظوں کی قطع برید اسے زندہ رکنے کے لیے ضروری ہے۔ اگر کسی زبان میں اس عمل کو روکا جائے تو وہ زبان روز کی بولی سے بہت دور ہوجاتی ہے اور رفتہ رفتہ اس کا شمار مردہ زبانوں ہونے لگتا ہے۔ ہمارے سامنے اس کی مثالیں سنسکرت اور لاطینی کی ہیں جو اب مردہ ہوچکی ہیں۔ لہذا کوئی زبان ابتد میں جب بولی ہوتی ہے اور اس کے ترقی یافتہ ہونے تک اس میں اس حد تک تبدیلیاں واقع ہو چکی ہوتی ہیں کہ وہ ابتدائی بولی سے بہت دور ہوجاتی ہے۔ اس زبان کے بولنے والوں کے لیے زبان استعمال کرنا تو درکنار اسے سمجھنا بھی دشوار ہوجاتا ہے۔

یہی وجہ ہے پشتو سولویں صدی میں اس قابل ہوئی کہ بولی سے زبان کہلائی جاسکے۔ اس کا واضح ثبوت اس سے ملتا ہے کہ پشتو مسلمانوں سے قبل تشکیل پاچکی ہوتی اور علمی و ادبی زبان بن چکی ہوتی تو اس میں دو لہجہ نہیں ہوتے۔ کیوں کے علمی اور ادبی ترقی زبان کو ایک ہی لہجہ پر مرکوز ہوجاتی ہے۔ اس کی واضح مثال اردو کی ہے، یہ اپنے ابتدائی دور میں کئی لہجوں میں بولی جاتی

Taugeus.com

تھی۔ بعد کے دور میں اس کے کئی دبستان قائم ہو گئے اور ہر دبستان اپنی زبان کو مستند سمجھتا تھا۔ لیکن اردو کی علمی ترقی اور مقبولیت نے اسے ان دبستانوں کی قید سے نکال کر آزاد کر دیا۔

سوال نمبر 2 : پنجابی زبان کے صوفی شعراء کے فن و فکر پر تفصیلی نوٹ لکھیں؟

جواب

پنجابی زبان کے ممتاز صوفی شعرأ کرام میں حضرت میاں محمدبخشؒ اپنے آفاقی پیغام اور اعلیٰ فنی محاسن کے سبب عالمی سطح کے شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ تصوف میں آپؒ سلسلۂ قادریہ کے جلیل القدر بزرگ تھے۔ دیندار، پاک نفس اور باعمل صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ، حدیث اور تفسیر جیسے علوم دینیہ میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ پنجابی کے علاوہ اردو، فارسی اور عربی کے بھی بے بدل فاضل تھے۔ یہ درویش سیرت، پنجابی زبان کی اس عظیم شعری روایت کی آخری کڑی ہیں، جس کا آغاز حضرت بابافریدؒ سے ہوا تھا۔

یوں تو حضرت میاں بخش کی کتابوں میں سوہنی مہینوال، تحفۂ میراں، قصہ شیخ صنعان، شیریں فرہاد، تحفہ رسولیہ، قصہ شاہ منصورؒ، سخی خواص خاں، مرزا صاحباں، ہدایت المسلمین، پنج گنج، ہیر رانجھا، گلزارِفقر اور تذکرۂ مقیمی جیسی شاہکار تخلیقات شامل ہیں مگر ''سیف الملوک'' آپؒ کی ایسی مثالی شعری تخلیق ہے جو ایک لاجواب شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ جو شہرت اس کتاب کو ملی ہے وہ ان کی کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہوئی۔ ان کو زندۂ جاوید بنانے والی کتاب ''سفرالعشق سیف الملوک و بدیع الجمال'' ہی ہے۔ دیکھنے میں تو یہ ایک قصہ ہے مگر یہاں میاں صاحبؒ کے منفرد طرز نگارش نے اسے ایک عہد آفریں داستان کی شکل بخشی ہے۔ بدیع الجمال کی محبت میں شہزادہ سیف الملوک کا پُرخطر سفر قاری کو جہدمسلسل پر اُبھارتا ہے۔ ؎

قصہ سیف الملوکے والا اس کارن ہُن کہناں
طالب ہمت کر کے چلے روا نہ رکھے بہناں

درحقیقت فطرت کے گہرے مشاہدے نے ان کے فن کو ابدی رفعتوں سے ہمکنار کر دیا ہے۔ اس داستان کے ڈرامائی اسلوب نے میاں محمدبخشؒ کو دُنیائے ادب کا بہت بڑا تمثیل نگار بنا دیا ہے۔

جس دل اندر ہووے بھائی اِک رتیّ چنگاری
ایہہ قصہ پڑھ بھانبڑ بن دا نال ربے دی یاری

اس کتاب میں انہوں نے صرف ایک عشقیہ داستان ہی بیان نہیں کی بلکہ اپنے عقائد اور خیالات کا بھرپور اظہار بھی کیا ہے۔ اس میں زمانے کی سردمہری اور ناقدری کا گلہ بھی کیا ہے۔ فن کی سچائی کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس میں انسانی دُکھ درد کا احساس بھی دکھائی دیتا ہے۔ حسن و عشق کے معاملات کا واضح نقشہ کھینچا ہے۔ زندگی کی بے ثباتی اور بے بسی کے ہر پہلو کا کُھل کر اظہار کیا ہے۔ تصوّف کو خوب نبھایا ہے۔ یعنی اس کتاب میں ہر رنگ درجۂ کمال پر پہنچا ہوا ہے۔ اس میں ہر مضمون اور ہر عنوان موجود ہے۔

میاں محمدبخشؒ نے اس شاہکار تصنیف میں دل و دماغ کے تمام مراحل کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ اندازِ بیان ایسا لاجواب اور پُرکشش ہے کہ یہ داستان لازوال بن گئی ہے۔ سیف الملوک کے مصائب کو

Tajassus.com

یوں پیش کیا ہے جیسے یہ سب مصائب خود ان پر گزرے ہیں۔ اس سے ان کے کلام میں غیر معمولی تاثیر اور سوزوگداز پیدا ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؒ نے اس عوامی زبان و ادب کو گراں بہا خزانے عطا کئے اور اسے بے حد ثروت مند بنایا ہے انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بہت اہم ہے۔ میاں صاحبؒ بلاشبہ ایک عہد آفرین شخصیت تھے جنہوں نے فنی گہرائی اور گیرائی سے تصوف اور شعر و ادب کی مروّجہ روایات پر گہرے نقوش مرتب کیے ہیں۔ ان کے مطالعے اور فکر کے ڈانڈے قرآن و حدیث، فارسی شعراء عطارؒ، رُومیؒ، جامیؒ، حلاجؒ، حافظؒ، سعدیؒ اور دیگر صوفی شعراءؒ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے تصوف کی ہندی اور ایرانی روایت کو جذب کر کے سوزوگداز کو ایک نیا کی صوفیانہ روایت سے گہرے تعلق کی بناء پر aاور مولانا رُوم aرُوپ عطا کیا ہے۔ ابن العربی انسان دوستی کو عروج بخشا ہے۔ ضبطِ نفس کی لذت سے آشنا و آگاہ بھی کیا ہے۔

ریاست جموں و کشمیر اور پوٹھوہار کے لئے میاں محمدبخشؒ کی حیثیت ''کوہِ ندا'' کی سی ہے۔ ان کی فکر سے پھوٹنے والی کرنیں آنے والے وقت میں رہنمائی کا کام کریں گی اور مشعل راہ ثابت ہوں گی۔

سوال نمبر 3:شمالی علاقوں میں کون کون سی زبانیں بولی جاتی ہے؟ ان کا مختثر تعاروف کرے۔نیز یہ بتائے کہ بلتی زبان و ادب کو کن کن عناصر نے متاثر کیا اور بلتی شاعری کن خصوصیات کے حامل ہے؟

جواب

اس کی وجہ یہی بتائی جاتی ہے کہ دنیا میں 40 فیصد افراد مادری زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہیں یا وہ خود دور جدید کے تقاضو ں کے پیش نظر اپنی ماں بولی سے دور ہو جاتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے اہداف برائے 2030 کے حوالے سے یونیسکو کا کہنا ہے کہ ایس ڈی جیز کے 16 اہداف اس وقت تک نامکمل ہوں گے جب تک تمام ممالک ماں بولی کو نصاب تعلیم کا حصہ نہیں بنا تے۔

ماں بولیوں کو معدومی سے بچانے اور ان کی ترویج کے لیے یونیسکو نے 21 فروری 1999 کو پہلی بار ماں بولی کے دن سے منسوب کیا اور اس دن تیزی سے معدوم ہونے والی زبانوں کے تحفظ اور ترویج کے لیے پروگرام منعقد کرنے شروع کیے۔ یونیسکو کے اقدامات اپنی جگہ لیکن حقیقت یہ ہے کہ محض ایک دن ماں بولیوں کے نام کرنا ان کے تحفظ کی ضمانت نہیں دیتا کیونکہ 20 سال گزرنے کے باوجود بہت کم ماں بولیاں ایسی ہیں جنہیں مقامی تعلیمی انصاب میں شامل کرایا جا سکا ہے۔ اس لیے یہ خطرہ اپنی جگہ موجود ہے کہ آئندہ 80 برسوں میں ان گنت ماں بولیاں ذریعہ اظہار کے بجائےمحض تاریخ بن چکی ہوں گی۔

Taiassus.com

ایک اندازے کے مطابق اس وقت پاکستان میں کم و بیش 74 علاقائی زبانیں اور بولیاں رائج ہیں لیکن تیزی سے بدلتے ماحول اور تقاضوں کے پیش نظر ہر شخص اپنی ماں بولی کے بجائےاردو اور انگریزی میں تعلیم حاصل کرنے اور انہی کو ذریعہ اظہار بنانے کا متمنی ہے۔

اور یہی وہ بنیادی خطرہ ہے جس سے تمام چھوٹی بڑی زبانیں اوربولیاں دوچار ہیں۔

ایک عام کہاوت ہے کہ ہر دسویں کوس پر کسی بھی زبان کا لہجہ، انداز اور بسا اوقات الفاظ کے معانی بھی بدل جاتے ہیں لیکن پاکستان کے شمالی علاقہ جات جنہیں گلگت بلتستان کہا جاتا ہے اس لحاظ سے منفرد ہیں کہ متعدد تہذیبوں کے اس مسکن میں زبانیں بھی ایک دوسرے سے الگ شناخت اور پہچان رکھتی ہیں۔

یہاں مجموعی طور پر چھ زبانیں بولی جاتی ہیں جو اپنے لہجے، انداز، الفاظ اور معانی میں ایک دوسرے سےیکسر مختلف ہیں۔ ان میں شینا، بلتی، کھوار، بروشسکی، وخی، گجری یا گوجری اور ڈوماکی شامل ہیں جبکہ گلگت بلتستان سے ملحقہ علاقے کشمیر میں کشمیری، کوہستان میں میان جبکہ چترال میں کھوار، کیلاشہ یا کالاشہ اور پھلورا بولی جاتی ہیں۔

معروف ماہر آثار قدیمہ اورمحقق ڈاکٹر احمد حسن دانی کے مطابق دریائے سندھ کے بالائی علاقوں اور کوہ ہندو کش کے دامن میں بولی جانے والی زبانیں کھوار، شینا، میان، کالاشہ، کوہستانی، پھلورا، کشمیری اور افغانستان میں بولی جانے والی بعض زبانیں داردی یا داردک کہلاتی ہیں جبکہ بروشسکی، وخی، بلتی اور ڈوماکی کو غیر داردی زبانوں میں شامل کیا گیا ہے۔

ایک اور تحقیق کے مطابق چترالی زبانیں کھوار، کالاشہ، یدغہ، پھالولہ، کوہستانی زبانیں کالامی، توروالی، کلکوٹی، انڈس کوہستانی زبانیں بٹیری، چیلیسو، گاوری، ووٹاپوری-کٹارقلای، تیراہی اور شینا زبانیں اوشوجو، ڈوماکی، پھالولہ اور ساوی کا شمار داردی زبانوں میں ہوتا ہے۔

ان میں سےبعض کی گرامر، قواعد وضوابط اور لغات تک موجود ہیں لیکن ان کے تحفظ و ترویج کو ہنوز خطرات لاحق ہیں کیونکہ اس سلسلے میں کسی قسم کے عملی اقدامات نظر نہیں آتے۔

گلگت بلتستان میں بولی جانے والی زبانوں اور بولیوں کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

شینا زبان

شینا زبان گلگت، دیامر، استور، غذر، ہنزہ، نگر، بلتستان، چترال اور کوہستان کے علاوہ آزاد و مقبوضہ کشمیر کے بعض علاقوں میں بولی جاتی ہے۔

معروف ادیب اور شینا قاعدہ کے بانی عبدالخالق تاج کے مطابق 'شینا زبان کی تاریخ ہزاروں سال پر محیط ہے جبکہ آثار قدیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شینا سنسکرت کی ایک شاخ ہے۔'

Tajassus.com

’فورم فار لنگویج انیشیٹو‘ کے ٹریننگ کوارڈینیٹر امیر حیدر کہتے ہیں کہ ’گلگت بلتستان کے طول و ارض میں پھیلی چٹانوں پر کندہ نقش و نگار سے معلوم ہوتا ہے کہ شینا زبان کی تاریخ تین سے پانچ ہزار سال قدیم ہوسکتی ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ 12 سے 13 زبانیں شینا کے بطن سے پیدا ہوئی ہیں۔‘

شینا زبان کے ایک اور نامور محقق زبیر توروالی کے مطابق ’شینا شمالی پاکستان کی داردی زبانوں کی ماں کہلاتی ہے۔‘

لوٹس سترا یا گلگت بلتستان مینو سکرپٹ اب تک پڑھا نہیں جا سکا لیکن مستقبل میں جدید علوم اور ٹیکنالوجی کی مدد سے ان نقش و نگار اور تحریروں کے پڑھ لیے جانے کی صورت میں خطے کی قدیم تاریخی معلومات کا ایک نیا خزانہ مل سکتا ہے۔

فورم فار لنگویج انیشیٹو کے سروے کے مطابق گلگت میں بعض والدین کی جانب سے بچوں سے شینا زبان میں گفتگو ترک کر دینا تشویش ناک امر ہے۔ امیرحیدر اس بارے میں کہتے ہیں کہ انٹرجنریشنل ٹرانسمیشن ہی زبان کو زندہ رکھ سکتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ’کارگل، دراس اور لداخ میں شینا زبان درسی کتب میں شامل ہے جس کے باعث مقبوضہ کشمیر میں شینا ادب پر بے پناہ کا م ہوا ہے۔‘

شینا زبان کے مقبول شعرا میں امین ضیا، عبدالخالق تاج، غلام نصیر المعروف بابا چلاسی، رحمت جان ملنگ، فضل الرحمان عالمگیر، عزیزالرحمن ملنگی،جان علی، ظفر وقار تاج، عقیل خان، عطااللہ اثر، نذیر حسین نذیر، شیر خان نگری وغیرہ شامل ہیں۔

عزیزالرحمٰن ملنگی شینا زبان کے واحد صاحب دیوان شاعر ہیں جبکہ عصرحاضر کے ہردلعزیز شاعر ظفر وقار تاج دومجموعے اشاعتی مراحل میں ہیں۔ معروف محقق شکیل احمد نے لوک داستانوں پر مبنی ’دادی شلوکے اول اور دادی شلوکے دوم‘ شائع کر کے شینا زبان کی تحریروں میں اہم اضافہ کیا ہے۔ اسی طرح ممتاز محقق شاہ مرزا نے قرآن پاک کا شینا زبان میں ترجمہ کر کے ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔

ماہر لسانیات ڈاکٹر طارق رحمان کے مطابق قراقرم رائٹرز فورم کے پلیٹ فارم سے امین ضیا، ایس ایم ناموس اور عبدالخالق تاج نے فارسی کے حروف تبدیل کر کے شینا آرتھوگرافی مرتب کی۔ معروف ادیب اور ماہر تعلیم امین ضیا کا شمار شینا زبان کے اولین محققین میں ہوتا ہے جنہوں نے شینا گرامر مرتب کی اور شینا ڈکشنری کی اشاعت کو یقینی بنایا۔

شینا میں لوک گیت، لوک داستانوں اورشاعری پر مقامی شعرا اور ادیبوں کے علاوہ غیرملکی محققین نے بھی شاندار کام کیا ہے جن میں جرمن سکالر پروفیسر جی بڈرس سر فہرست ہیں لیکن یہ سب انفرادی طور پر ہوا ہے۔

Tajassus.com

وادی استور کا شمارعلم و ادب کے اعتبار سے گلگت بلتستان کے ہر اول دستے میں ہوتا ہے۔ یہاں کے باسیوں محمد ظہیر سحر اور سلمان پارس نے شینا زبان میں شاعری ضرور کی ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی یہاں کے سخن دوست حلقوں نے شینا پر کوئی قابل ذکرکام نہیں کیا۔

کسی بھی زبان کی ترقی و ترویج کا انحصار رسم الخط پر ہوتا ہے لیکن شینا کا کوئی علیحدہ رسم الخط نہیں اور اب تک اسے شاہ مکھی یا نستعلیق میں ہی لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح ہزاروں سال قدیم اس زبان پر تحقیقی کام بہت پہلے شروع ہو جانا چاہیے تھا لیکن بدقسمتی سے یہ بھی 80 کی دہائی سے شروع ہوا۔

شینا کی ترویج میں پاکستان کے سرکاری نشریاتی اداروں نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔

ماہر لسانیات ڈاکٹر طارق رحمان کے مطابق سب سے پہلے 1949 میں ریڈیو پاکستان راولپنڈی جبکہ 1979 سے ریڈیو پاکستان گلگت سے شینا زبان میں پروگرام نشر ہونے لگے جبکہ اس کے علاوہ پاکستان ٹیلی ویژن بھی شینا میں خبریں نشر کررہا ہے۔ گلگت بلتستان سمیت پاکستان کے بڑے شہروں میں مقیم شینا بولنے والے افراد تسلسل کے ساتھ ادبی و موسیقی کی محفلوں کے ذریعے ماں بولی سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

بلتی زبان

بلتی، گلگت بلتستان کی دوسری بڑی زبان ہے۔ تبت خورد یعنی بلتستان چار اضلاع پر مشتمل ہے جہاں کے تقریباً 95 فیصد باشندے بلتی زبان بولتے ہیں لیکن اسکردو کے قریبی قصبے روندو سمیت بلتستان کے ایک درجن سے زائد دیہات ایسے بھی ہیں جہاں شینا بھی بولی جاتی ہے۔

بلتی پاکستان کی واحد زبان ہے جس کا تعلق چینی-تبتی خاندان سے ہے، اور اس کی تاریخ بھی ہزاروں سال پرانی تبتی تہذیب سے ملتی ہے۔ مغربی محقق بیکسٹروم کے مطابق بلتی بولنے والے اپنی زبان سے بے حد لگاؤ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے اسے کوئی بڑا خطرہ لاحق نہیں۔

معروف محقق اور دانشور یوسف حسین آبادی کے مطابق ساتویں صدی عیسوی یعنی632 تا 652 کے درمیان 'اگے' کے نام سے بلتی کا اپنا رسم الخط مرتب کیا گیا۔ 1381 کے بعد مبلغین اور صوفیا کی آمد کے ساتھ خطے میں فارسی اور عربی کو فوقیت ملی اور اگے معدوم ہوتے ہوتے متروک ہو گیا۔ اگے کے بجائے فارسی سکرپٹ متبادل رسم الخط کے طور پر رائج ہوا جبکہ اگے کے متروک ہونے کا ایک سبب ریاست کے حکمرانوں کی جانب سے بلتی کے بجائے فارسی کو ریاستی زبان کا درجہ دینا بھی تھا۔

Tajassus.com

مغربی محقق اے ایف سی ریڈ کے مطابق عیسائی مشنریوں نے 1915 سے 1938 کے درمیان فارسی سکرپٹ کی مدد سے بائبل کا بلتی میں ترجمہ کیا۔ بعد ازاں بلتی کے معروف محقق خلیل الرحمٰن نے فارسی سکرپٹ کی مدد سے بلتی زبان کی پرائمر اور گرامر مرتب کی۔ اُن کے بعد ان کے جانشین محمد یوسف نے بلتی پرائمر میں تبدیلی کی جبکہ آنے والے برسوں میں مقامی باشندوں نے بلتی زبان میں شاعری اور ادب پر بہت کام کیا۔

تقریباً 600 برس بعد 80 کی دہائی میں بلتی زبان کے نامورمحقق یوسف حسین آبادی نے بلتی رسم الخط اگے کو دوبارہ دریافت کیا اور بلتی زبان میں 30حروف تہجی پر مشتمل قاعدہ مرتب کیا گیا۔ یوسف حسین آبادی کا کہنا ہے کہ اگے سکرپٹ تبت، لداخ، سکم، بھوٹان اور بلتستان میں رائج تھا جس کے ذریعے بلتی ادب کو بے پناہ فروغ ملاتاہم بلتی زبان میں فارسی رسم الخط کے متعارف ہونے کے بعد ادب کا ذخیرہ اسی رسم الخط کے تحت چلا آرہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس وقت اگے استعمال کرنے والوں کی تعداد سوا کروڑ کے لگ بھگ ہے۔

یوسف حسین آبادی گلگت بلتستان میں علاقائی زبانوں کو نصاب میں شامل کرنے کے حوالے سے تشکیل پانے والے بورڈ کی کمیٹی میں بلتی زبان کی نمائندگی کررہے ہیں جبکہ کمیٹی میں محمد حسن حسرت اور معروف صحافی محمد قاسم نسیم بھی شامل ہیں۔ کمیٹی نے بلتی زبان میں عہد حاضر میں مرتب کیے جانے والےادبی ذخیرے کو مدنظر رکھتے ہوئےنصاب میں فارسی سکرپٹ رائج کرنے کی سفارش کی اور بلتی قاعدہ مرتب کرکے مزکزی کمیٹی کے سپرد کیا ہے۔

Tajassus.com